بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

قوموں اور جماعتوں کی قوت کا راز اور ان کی کامیابی کی نوید' ایمان کے بعد' سب سے بڑھ کر ان کی وحدت اور باہمی الفت میں پوشیدہ ہے۔

نصرتِ الٰہی اور فتحِ قریب کی بشارت انھی کو دی گئی ہے جو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ بتا دیا گیا ہے کہ اللہ کی تائید ایسی جماعت کے ذریعہ ہی آتی ہے جس کے دل اس نے باہمی الفت سے جوڑ دیے ہوں۔ یہ الفت صرف اسی کی دین ہے' ورنہ دنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی نہیں خریدی جا سکتی۔ اس الفت ہی سے وہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ ایک' دس پر غالب آتا ہے۔ آدمی اکیلا ہو تو بھاگنے کی سوچتا ہے' دو ہوں تو قدم جم جاتے ہیں' گیارہ ہوں تو فتح کا جھنڈا گاڑنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔

ایک اور ایک بھی' پہلو بہ پہلو متحد ہوں تو "گیارہ بن سکتے ہیں' لیکن وہ ایک دوسرے کی نفی کرنے لگیں تو صفر بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی لیے وحدتِ ملی کی شدید تاکید فرمائی گئی ہے: "سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو' اور (دیکھو) گروہوں میں نہ بٹ جانا" (آل عمران ۳:۱۰۳)۔ اس کے فوراً بعد ہی' اہلِ ایمان کو افتراق کی لعنت سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے' بتایا کہ جو اللہ کے واضح احکامات کے باوجود اختلاف و افتراق کی راہ پر چل پڑے' ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا' اور بے چارگی ان پر مسلط ہو گئی۔ اسی طرح' دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی کا راز یہ بتایا کہ "اللہ کو ہر وقت یاد رکھو ... اور اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔" لیکن ناکامی کے راز پر سے بھی پردہ اٹھا دیا: "اور (دیکھو) آپس میں جھگڑا ہرگز نہ کرنا' ورنہ کم ہمتی پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی" (الانفال ۸:۴۵-۴۶)۔

وحدتِ ملی کے بارہ میں حضرت ہارونؑ کا اسوۂ حسنہ بھی دیکھیے۔ حضرت موسیٰؑ شریعت لینے

کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل کو ان کے سپرد کر گئے۔ وہ اللہ کے نبی تھے' اور خود حضرت موسیٰؑ کی درخواست پر ان کے وزیر اور شریک بنائے گئے تھے۔ ان کی حکمت و دانائی پر اعتماد تھا کہ وہ صلح صفائی قائم رکھیں گے اور فساد سے بچائیں گے (الاعراف ۷: ۱۴۲)۔ حضرت موسیٰؑ کے جاتے ہی' سامری نے بنی اسرائیل کے لیے ایک سونے کا بچھڑا بنا دیا۔ صدیوں کی غلامی نے ان کے دلوں کو اپنے حاکموں کے خداؤں کی محبت سے لبریز کر دیا تھا اور وہ ان ہی کی مانند خداؤں کے لیے بے تاب تھے۔ چنانچہ وہ اس کی پرستش میں لگ گئے' ---- جس طرح آج کے سامریوں نے دوسروں کے خداؤں کی طرح' معاشی ترقی' دولت' نسل اور زبان کے نہ معلوم کتنے سنہرے بچھڑے بنا دیے ہیں جن کی پوجا پاٹ میں لگ کر خدائے واحد کے پرستار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں ---- حضرت ہارونؑ نے صرف زبانی نصیحت پر اکتفا کیا "میرا کہا مانو' تم فتنہ میں پڑ گئے ہو ' تمہارا رب تو رحمٰن ہے۔" حضرت موسیٰؑ واپس آئے' تو حضرت ہارونؑ کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے: "ہارون' تم نے جب دیکھا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا کہ تم نے میری بات پر عمل نہ کیا؟" حضرت ہارونؑ بولے: "اے میرے ماں جائے' میری داڑھی نہ پکڑ' نہ میرے سر کے بال کھینچ' مجھے یہ ڈر تھا کہ تم آ کر کہو گے' تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا" (طٰہٰ ۸۶ - ۹۴)۔

امتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانِ عظیم فرمایا ---- کہ افتراق و عداوت کی آگ سے بھرے ہوئے گڑھے سے بچا لیا' ان کے دل جوڑ دیے' اور ان کو بھائی بھائی بنا دیا ---- اس کے آثار آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ افتراق کے سارے مایوس کن' دل فگار' اور بعض صورتوں میں شرمناک مظاہروں کے باوجود' ایک ارب کی تعداد میں یہ امت اب بھی باہمی الفت و محبت' اخوت و غمگساری' اور تعاون و یگانگت کے لحاظ سے' مثالی نہ سہی' آج کے دور میں سب سے بہتر نمونہ ہے۔ اس میں نہ رنگ مانع ہے' نہ نسل' نہ زبان' نہ مادی مفاد۔ مغرب کے مسلمان کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو مشرق کے مسلمان کے دل میں کسک محسوس ہوتی ہے۔ بوسنیا کے سفید رنگ مسلمان ظلم کا شکار ہوتے ہیں' تو ملائیشیا کا وزیر اعظم برطانوی وزیر اعظم کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر اسے جھاڑ دیتا ہے' پاکستان اپنے افلاس کے باوجود ان کے لیے اپنے خزانہ کا منہ کھول دیتا ہے' ایران کے شیعہ حکمراں ہر قسم کی مدد پہنچانے کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ افغانستان میں روس در آتا ہے' تو دنیا بھر سے ہر نسل اور رنگ کے مسلمان اللہ کی راہ میں اپنا خون وہاں کی خاک میں جذب کرنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔

اسی لیے مشہور عالمی مورخ ٹوائن بی نے لکھا تھا کہ دنیا آج مسلمانوں سے کچھ سیکھ سکتی ہے' تو ان میں سرِفہرست' رنگ' نسل' زبان' زمین کے اختلاف کے باوجود' گئی گزری حالت میں بھی انسانی اخوت و یگانگت کی وہ بیش بہا نعمت ہے جو ان کے پاس ہے۔ لیکن مغرب کے لیڈر سیکھنے کے بجائے' ۱۴۰۰ سال کے انحطاط کے بعد جو کچھ اخوت و وحدت بچی کھچی رہ گئی ہے' اسے اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں' اس سے خوف کھاتے رہتے ہیں اور اسے بھی ختم کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ پان اسلام ازم کا ہوّا انھوں نے خود کھڑا کیا تاکہ مسلمانوں کو لخت لخت کرنے کا بہانہ ہاتھ آئے' اس بھیڑیئے کی طرح جس نے بھیڑ کے بچہ کو یہ کہہ کر ہڑپ کرلیا تھا کہ تم نہ سہی' تمہارے باپ نے میرا پانی گدلا کیا ہوگا۔ وطن اور دولت کے جن جدید خداؤں کی پرستش نے جسد مغرب کو پارہ پارہ کیا' اسی کا تیزاب حکمتِ مغرب برابر جسدِ ملی پر پھینک رہی ہے' تاکہ رسول ہاشمیؐ نے اپنی ملت کی شیرازہ بندی جس ترکیبِ خاص میں کی تھی وہ بکھر جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے دور استعمار میں امت کو چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم بھی کیا' ان کی روح اور سیاست میں قوم پرستی کا زہر بھی گھولا' زبان و نسل کے فتنوں کو بھی ہوا دی' ان کو اپنی زبانوں سے بھی محروم کیا' ان میں مذہبی فرقہ پرستی کی بھی پیٹھ ٹھونکی' ان کے درمیان اقلیتوں کو بھی اکسایا' ان کو معاشی ترقی کا چسکا بھی لگایا' اور ان کو باہم دست گریباں بھی کیا۔ اور ان مقاصد کے لیے سیاسی' انتظامی' ثقافتی' فکری' تعلیمی سارے ذرائع اختیار کیے۔ یقین نہ آئے تو عرب قوم پرستی کی تاریخ پڑھ لیجیے' عرب و ترک آویزش کو یاد کرلیجیے' جس نے خلافت عثمانی کو بھی ختم کردیا اور عربوں کو بھی مغرب کی غلامی میں دے دیا۔

دانا آدمی کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنی ہر مصیبت اور مرض کے لیے دشمنوں کو' اور ان کی سازشوں کو' الزام دے کر بیٹھ جائے۔ دشمن کو وہیں اپنی ریشہ دوانیوں میں کامیابی نصیب ہوتی ہے جہاں خود ہمارے اندر رخنے اور شگاف موجود ہوتے ہیں۔ ہمیں اللہ کو یاد رکھنے اور حبل اللہ کو مضبوط پکڑنے کا حکم اس لیے ہوا تھا کہ یہی ہمارے لیے وحدت کا اور تفرقہ و تنازعہ سے بچاؤ کا واحد نسخہ تھا۔ جب ہم اللہ سے غافل ہوگئے' اور حبل اللہ کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے' تو صدیوں کی غلامی ہمارا مقدر بن گئی۔ آج ہماری اپنی غفلت و خود فراموشی اور حکمتِ مغرب نے ہماری حالت یہ کردی ہے کہ جگہ جگہ امت اختلاف و افتراق اور خون ریزی کی آگ میں جل رہی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ وہ گروہ جو امت کو اپنا مشن پورا کرنے اور حبل اللہ کو مضبوط پکڑنے کی دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں' وہ بھی اس آگ سے محفوظ نہیں ہیں۔

ایک طرف، جگہ جگہ مغرب کے "خلف الرشید" حکمراں اپنے ہی مسلمان عوام کے ساتھ برسرپیکار ہیں۔ کچھ اپنی ہوسِ اقتدار کی خاطر، کچھ مغربی تہذیب کے چھوڑے ہوئے آثار کی بقا کی خاطر، جن کا ایک حصہ وہ خود ہیں، جن پر ان کی کرسی بھی قائم ہے، اور جن پر انھیں ایمان بھی ہے۔ الجیریا ہے جہاں حکمرانوں اور عوام کے درمیان خانہ جنگی چھڑی ہوئی ہے۔ ہزاروں مسلمان مارے جاچکے ہیں، ہزاروں تعذیبی جیلوں میں بند ہیں، بیسیوں روزانہ قتل ہوتے ہیں، سیاسی نظام درہم برہم ہوچکا ہے، معیشت تباہی کے کنارہ آ گئی ہے۔ مصر ہے جہاں روز معرکے ہورہے ہیں، گولیاں اور بم چل رہے ہیں، مسلسل لوگ پھانسیوں پر لٹکائے جارہے ہیں۔ وہ ملک بھی ہیں جہاں اپنے ہی بے گناہ شہریوں پر بمباری کی گئی ہے، ان کا قتلِ عام ہوا ہے، بستیاں نقشہ سے مٹا دی گئی ہیں۔ اور وہ ملک تو بے شمار ہیں جہاں حکمرانوں سے اختلاف اور تنقید کے جرم میں لوگ معدوم کردیے جاتے ہیں، اور بعض کچھ زیادہ خوش قسمت ہوتے ہیں تو زندگی بھر سلاخوں کے پیچھے رہتے ہیں۔

یہ جنگ و جدل نہایت افسوس ناک ہے کہ اس میں امت کی بہترین قوتیں ضائع ہو رہی ہیں اور ملک کے ملک تباہ ہورہے ہیں۔ لیکن قابلِ فہم ہے کہ یہ مغربی تسلط کا تسلسل ہے اور مغرب کی طویل غلامی کا کڑوا کسیلا پھل۔ لیکن، دوسری طرف، جگہ جگہ خود مسلمان عوام ٹکڑے ٹکڑے ہوکر باہم دست بگریبان ہیں۔ کہیں عقیدہ و مسلک کے اختلاف کی بنا پر نزاع و افتراق ہے، کہیں سیاسی مفاد کی بنا پر، اور کہیں کہیں عصبیت کی بنا پر بھی۔

فرقہ واریت، ملت کے چہرہ پر ایک انتہائی بدنما شرم ناک داغ ہے۔ مسلمان، مسلمان کو کافر بنا رہے ہیں، منافق قرار دے رہے ہیں۔ مسجدیں الگ الگ کرلی ہیں۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ نمازیوں پر بم پھینکے جاتے ہیں اور فائرنگ کی جاتی ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات بھی ہو جاتے ہیں۔ اس سے صرف وحدت ہی نہیں ختم ہورہی، اسلام پر اعتماد بھی خطرہ میں پڑ رہا ہے۔ اگرچہ اب دوسری چیزیں ہیں جو مذہب سے بڑھ کر، اور مسٹرہیں جو ملا سے بڑھ کر، فساد اور انتشار برپا کیے ہوئے ہیں، لیکن فرقہ واریت نے ایک ایسا بہانہ فراہم کردیا ہے جو سارے اسلام کو لپیٹ کر رکھ دینے کی مہم کے کام آرہا ہے۔

سیاسی اختلاف کے پیچھے، یا کہیے ہوسِ اقتدار کے پیچھے، جگہ جگہ سیاسی لیڈر پورے ملک کے استحکام، سلامتی اور ترقی کو داؤ پر لگارہے ہیں۔ ہمارا وطنِ عزیز اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ ملک کو سنگین خطرات کا سامنا ہو یا اس کی سلامتی و ترقی کے ناگزیر تقاضے، بڑی بڑی سیاسی

جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ کسی مفاہمت کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حکمراں ادارے اکھاڑے بنا دیے گئے ہیں' ایک دوسرے کے لیے غدار اور ملک دشمن کی گالیاں ہیں اور ٹانگیں توڑ دینے کی دھمکیاں۔ دینِ ملاّ بھلا فساد کی اس انتہا کو کیسے چھو سکتا ہے۔ اس اختلاف نے ملک کو کتنا عظیم نقصان پہنچایا ہے۔ وہ دو ٹکڑے ہو چکا ہے' مسلسل عدم استحکام کا شکار ہے' دنیا میں عزت دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی ہے' لوگ پوچھتے ہیں' کیا پاکستان بچے گا۔

کہیں عام لوگ باہم لڑے رہے ہیں' تو کہیں حکومتیں برسرِپیکار ہیں۔ عراق و ایران کی جنگ' خلیجی جنگ' کُردوں کے خلاف عراق' ترکی اور ایران کی' اور اس سے پہلے یمن میں مصر کی' فوج کشی کوئی پرانی باتیں نہیں۔ لاکھوں مسلمانوں کے خون اور آپا بجی' اربوں ڈالر کے اسلحہ کی آتش بازی' اور ارب ہا ارب ڈالر کی قومی دولت کے ضیاع کے سوا ملت کو ان لڑائیوں سے اور کیا ملا۔ صرف خلیجی جنگ میں مسلمانوں کی ۶۸۰ ارب ڈالر کی دولت بھک سے اڑ گئی۔ تفرقہ و عداوت میں مسلمان ملک جس مقام پر پہنچ چکے ہیں' اس کی تصویر بالکل وہی ہے جو قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے تذکرہ میں کچھ یوں کھینچی ہے:

> ذرا یاد کرو' جب ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا... مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو' اپنے ہی لوگوں کو بے گھر کردیتے ہو' اور ظلم و زیادتی کرنے کے لیے دشمنوں کی مدد سے ان پر چڑھائی کرتے ہو... کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لائے ہو' اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو (اپنے عمل سے)۔

اور سزا بھی وہی:

> تم میں سے جو لوگ ایسا کریں' ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں' اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں۔ (البقرہ ۲: ۸۴ - ۸۵)

سب سے زیادہ افسوس ناک اور رنج دہ پہلو یہ ہے کہ امت کی وہ جماعتیں جن کی شیرازہ بندی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہوئی ہے' اور جو اس مقصد کے لیے جدوجہد اور جہاد کررہی ہیں وہ بھی باہمی جنگ و جدل کی زد میں ہیں۔

افغانستان میں مجاہدین کے مختلف گروہوں کے درمیان خون ریز جنگیں' کابل میں تباہی و بربادی' اور ہمارے عام افغان بھائیوں کو پہنچنے والا دکھ درد' ایک ایسا المیہ ہے کہ دل غم ناک ہیں

اور گردنیں شرم سے جھکی ہوئی ہیں۔ جہادِ افغانستان' اس دور کے اندھیروں میں نور کی ایک کرن تھا' لیکن باہمی افتراق و انتشار نے اس کو تہہ بہ تہہ تاریکیوں سے ڈھانپ لیا ہے۔ ہزاروں ٹینک اور سینکڑوں ہوائی جہاز' جو افغانستان کو سب سے بڑی مسلمان فوجی طاقت بنا سکتے تھے' باہمی لڑائی میں پھونکے جا رہے ہیں۔ اسلامی حکومت کا خواب بکھرتا نظر آ رہا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کشمیر میں فتح نصیب ہوئی' تو کیا افغانستان جیسا حشر نہ ہوگا؟

اسلامی تحریکیں پہلے بھی باہمی افتراق کا شکار ہوتی رہی ہیں۔ آج بھی ہیں۔ مصر' الجیریا' شام' ملائیشیا وغیرہ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن جماعتِ اسلامی پاکستان میں' ادھر چند برسوں سے نزاع و افتراق کی ایسی لہریں پیدا ہو رہی ہیں کہ اس کی سلامتی کے بارہ میں بھی دلوں میں تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ حالانکہ اپنے مثالی نظم و ضبط اور وحدت و یگانگت ہی کی وجہ سے وہ ایک امتیازی شان کی حامل تھی۔

کسی قوم یا جماعت کے لیے اختلاف سے بچنا ممکن نہیں' اس لیے کہ انسانوں کے درمیان اختلاف ہونا ایک بالکل فطری امر ہے۔ لیکن اس سے بچنا بالکل ممکن ہے کہ اختلاف' افتراق و تنازع اور جنگ و جدل کی شکل اختیار کرلے۔ کیونکہ یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ وہ روش اختیار نہ کریں اور وہ کام نہ کریں جن سے اختلاف تنازع بنتا ہے' تنازع حل ہو کر نہیں دیتا' اور پھر افتراق و انتشار اور جنگ و جدل کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں اختلافات کے باوجود' ساتھ رہنے اور ساتھ کام کرنے کا سلیقہ آتا ہو' اور ان کو حل کرنے یا اپنے مقام پر رکھنے کا طریقہ بھی۔ اس بارہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہمیں واضح احکام اور ہدایات دی ہیں' لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ یہ احکام و ہدایت ہم جانتے بھی ہیں' زبان و قلم سے دہراتے بھی ہیں' مگر عمل کم کرتے ہیں۔

اختلاف' احکامِ الٰہی کے تعین میں بھی ہو سکتا ہے' تدابیر و اشخاص کے بارہ میں بھی۔ حکمِ الٰہی کیا ہے' اس بارہ میں اختلاف بہ آسانی بناءِ نزاع و فرقہ بندی بن جاتا ہے۔ کیونکہ اپنے عمل و فہم کے مطابق جو حکمِ الٰہی ہو' اس کے مقابلہ میں دوسری یا متضاد رائے کو آدمی کیسے برداشت کرے۔ تدابیر و اشخاص کے بارہ میں بظاہر یہ صورت نہیں' اپنی رائے کا کسی حکمِ الٰہی کی مانند ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں تو جب آدمی اپنے خیال کے مطابق' احکامِ الٰہی کی بنیاد پر' یا ناگزیر اجتماعی مصالح کی خاطر' اختلاف کرتا ہے' تو وہ زیادہ سنگین بن جاتا ہے۔ بلکہ لڑائی کی

شکل اختیار کرلیتا ہے۔ جیسے باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو نااہل قرار دے کر ان کو شہید کردیا' خوارج نے حضرت علیؓ کی تکفیر کردی' یا حضرت معاویہؓ نے یزید کو خلیفہ بنا دیا۔ پھر ان اختلافات کے نتیجہ میں خون ریزیوں تک نوبت پہنچی۔

احکامِ الٰہی کے باب میں سلف نے اختلاف کی جو روش اختیار کی' اس سے ہر نوع کے اختلافات کو اپنے مقام اور اپنی حدود میں رکھنے کا طریقہ سیکھا جا سکتا ہے۔

۱۔ پہلا اور سب سے اہم اصول یہ ہے کہ کسی انسان کی فہم اور رائے' اللہ کے حکم اور فیصلہ کا درجہ نہیں رکھتی۔ اس میں خطا کا بھی امکان ہے اور اس سے مختلف رائے میں صحت کا بھی۔ معاملہ قرآن و سنت سے احکامِ الٰہی کے استنباط کا ہو' یا تدابیر و اشخاص کے بارہ میں رائے کا' یہی صحیح روش ہے۔

حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ رائے تو صرف رسول اللہؐ کی صحیح ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ خود سمجھاتا تھا' باقی ہماری باتیں تو گمان اور قیاس پر مبنی ہیں۔ آپؓ کے سیکرٹری نے کسی خط میں لکھا کہ "یہ وہ ہے جو اللہ کے نزدیک' اور عمرؓ کے نزدیک صحیح ہے۔" آپؓ نے فرمایا' تو نے بری بات کہی۔ یوں لکھ کہ یہ عمرؓ کی رائے ہے' اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ٹھیک نہ ہو تو عمرؓ کی طرف سے ہے۔

سلف اس بات سے احتراز کرتے تھے کہ وہ اپنی رائے یا اجتہاد کو اللہ اور رسولؐ کی طرف منسوب کریں۔ وہ یوں کہنے کو ترجیح دیتے کہ میری رائے میں یہ صحیح ہے' یہ بہتر ہے' یہ غلط ہے۔ بجائے اس کے کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے' یہ حلال کیا ہے۔ حرام و حلال کے الفاظ بھی زبان پر لانے سے وہ گھبراتے تھے کہ کہیں غلط حکم کی نسبت اللہ کی طرف نہ ہو جائے۔ اسی لیے وہ اکثر "مکروہ" کہہ کر گزر جاتے تھے۔ احادیث کی نسبت بھی رسول اللہ کی طرف کرنے سے احتراز کرتے' اسی لیے موقوف احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ امام مالک تو فتویٰ دینے کے بعد یہ آیت پڑھ دیتے تھے کہ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ' یہ تو ہمارا گمان ہے' ہمیں اس پر یقین نہیں۔

اسی لیے آج تک اصحابِ فتویٰ اپنے فتویٰ کے ساتھ یہ ضرور کہتے ہیں کہ "یہ میری رائے ہے' علم اللہ کے پاس ہے' اور وہی صحیح حکم جانتا ہے۔" قرآن و سنت سے مستنبط احکام کے بارہ میں اگر یہ روش صحیح ہے' تو تدابیر و اشخاص کے بارہ میں تو بدرجۂ اولیٰ صحیح ہونا چاہیے۔ اختلاف کرنے والے اگر اپنی رائے کو' صرف رائے ہی سمجھنے لگیں نہ کہ حکمِ الٰہی یا حق و باطل کی میزان'

اور اس کے مقام کا صحیح شعور رکھتے ہوں' تو ان کا کوئی اختلاف نزاع و افتراق تک نہیں پہنچے گا۔

۲ - دوسرا اہم بنیادی اصول یہ ہے کہ معاملات اور اختلافات کو طے کرنے کے لیے جو ادارے اور طریقے باہمی اتفاق سے طے کر لیے گئے ہوں' ان کی پابندی کریں' ان کے فیصلے تسلیم کریں' اور ان کی خلاف ورزی نہ کریں' اگرچہ انھیں غلط بھی سمجھتے ہوں۔ اور ان اداروں اور طریقوں کا احترام بھی برقرار رکھیں' انھیں مشکوک اور مشتبہ نہ بنائیں۔ اختلافات تو ہوں گے' ہر چیز سے بڑھ کر طے کرنے والے اداروں اور طریقوں کی پابندی ہے۔

سلف کے نزدیک یہ اصول مسلّمہ تھا کہ مفتی کو فتویٰ دینے کا بھی حق ہے' قاضی کے فیصلہ پر تنقید کا بھی' لیکن جو منصبِ قضا پر فائز ہوگا' یعنی فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا' اس ہی کا فیصلہ نافذ ہوگا' اور اسی کے مطابق معاملات طے ہوں گے اور چلیں گے۔ کوفہ میں قاضی عدالت میں فیصلے کرتے تھے' امام ابوحنیفہؒ باہر ان پر تنقید کرتے تھے۔ ان کو تنقید کا حق تھا' لیکن معاملات قاضی کے فیصلوں کے مطابق ہی چلتے تھے۔ یہ "قاضی" امیر بھی ہو سکتا ہے' شوریٰ بھی' پارلیمنٹ بھی' عدالت بھی' شوہر بھی' حکم بھی۔

ہر اجتماعیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاملات اور اختلافات کو طے کرنے کے لیے مناسب ضروری مجاز اداروں اور طریقوں کا تعین کرے۔ جس طرح قرآن مجید نے باہمی تنازعات میں اللہ اور رسولؐ کو مرجع قرار دیا' گھریلو نزاع میں دو حکم مقرر کرنے کی ہدایت دی' وراثت پر جھگڑے کی صورت میں قسم دلوانے کا طریقہ تجویز کیا' دو گروہوں میں قتال ہو جائے تو صلح کرانے کا حکم دیا۔

اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تنقید اور اظہارِ اختلاف کی مناسب حدود کا بھی تعین کرے۔ اس بارہ میں شریعت چند بنیادی اصول تو دیتی ہے' تفصیلات طے کر کے ہمارے ہاتھ میں نہیں تھماتی۔ یہ تفصیلات لوگ خود طے کر سکتے ہیں' لیکن یہ ضروری ہے کہ جو خود طے کریں اس کی پابندی کریں۔ جہاں شمولیت رضاکارانہ نہیں' جیسے ریاست اور امت میں' وہاں یہ حدود بہت وسیع ہونا چاہئیں۔ جہاں رضاکارانہ ہوگی' وہاں حسبِ حالات باہمی اتفاق سے تنگ بھی کی جاسکتی ہیں۔ پبلک میں اختلاف کا حق دیا بھی جاسکتا ہے' منع بھی کیا جاسکتا ہے۔ خوارج حضرت علیؓ کی تکفیر کرتے تھے اور آپؓ کے قتل کے منصوبے بناتے تھے' لیکن آپؓ نے ان پر کوئی پابندی عائد نہ کرنے کا فیصلہ کیا' اِلّایہ کہ وہ ہتھیار اٹھالیں۔ دوسری طرف ایک مجلس سے اٹھنے والے کے لیے مجلس کی ہر بات ایک امانت ہے' جس کا اظہار اسے مجلس کی اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔

۳ - تیسرا اہم بنیادی اصول یہ ہے کہ مجاز اداروں اور متعین طریقوں کے مقابلہ میں اپنی

رائے کے مانے جانے پر --- جو بہرحال انسانی رائے ہے اور خطا و صواب دونوں کے امکانات کی حامل --- اصرار نہ کریں۔ نہ فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی اپنی رائے چلانے پر مصر ہوں۔ نہ اپنی رائے کو کسی نہ کسی طور دوسروں پر مسلّط کریں۔

جو لوگ حضورؐ کی مجلس میں آپؐ کی رائے پر اپنی رائے کو مقدّم رکھنا چاہتے تھے' اور زورِ زبان و بیان سے اپنی بات منوانا چاہتے تھے' وہ ایسے ہی لوگ تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے سخت وعید سنائی ہے۔ صلح اور تصفیہ کے بعد' جنگ میں جو گروہ اپنی روش پر اڑا رہے اس سے قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث کی رو سے' مشورہ سے ایک حکمران کا تقرر ہو جائے' تو جو خود حکمرانی کا دعویٰ کرے' یا دوسرے کو حکمراں بنائے' اس کا خون مباح ہو جاتا ہے۔

اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھنے' اور اس اڑے رہنے سے اختلافات لازماً ایک نزاع اور جھگڑے کی صورت اختیار کرلیتے ہیں' اور افتراق و انتشار پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ "رائے" ہے جس کی مذمت اہلِ علم اور فقہا نے کی ہے' یہی وہ روش ہے جسے قرآن نے استکبار قرار دیا ہے۔

مولانا مسعود عالم ندویؒ راقم پر بڑی شفقت کرتے تھے۔ چالیس سال سے زیادہ پہلے کی بات ہے' اس وقت اخوان المسلمون میں رونما ہونے والے افتراق و انتشار کے حوالہ سے میں نے سوال اٹھایا۔ بہت تفصیل سے جواب دیا' اور آخر میں کہا کہ "مجلسِ شوریٰ میں' میں ہمیشہ "لیڈر آف دی اپوزیشن" ہوتا ہوں' ہمیشہ ہارتا ہوں۔ جس دن میں اَڑ جاؤں گا کہ نہیں میری ہی رائے مانی جانی چاہیے' اس دن جماعتِ اسلامی بکھر جائے گی۔ دیکھو' بس اس سے اجتناب کرنا۔"

۴ - چوتھا اہم بنیادی اصول یہ ہے کہ جب اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ نہ ہو تو یہ نہ کریں کہ اداروں کو' فیصلوں کو' فیصلوں کے طریقِ کار کو' سب کو شکوک و مشتبہ بنا دیں۔

افراد آتے جاتے رہیں گے' ادارے مستقل ہیں۔ ان کی عزت و وقار سلامت رہے تو وحدت سلامت رہے گی۔ ان کا اعتبار اٹھ جائے تو وحدت اٹھ جائے گی۔ آج زید صدر یا وزیراعظم ہے تو کل بکر ہوگا' آج بکر امیر ہے تو کل عمر ہوگا' آج ایک پارلیمینٹ یا شوریٰ ہے تو کل دوسری ہوگی۔ ان سے ہم کتنا ہی اختلاف کریں' ان پر کتنی ہی تنقید کریں' لیکن ان کو تباہ نہ کریں۔ اگر صدر یا وزیراعظم غدار' دشمن کا ایجنٹ' ملک کا دشمن ہے' مگر عوام اسی کو منتخب کرتے ہیں' اگر امیر جھوٹ بولتا ہے' امریکہ اور اسرائیل کا ایجنٹ ہے' دستور کی خلاف ورزیاں کرتا ہے' مگر شوریٰ و ارکان اسی کو اپنا امیر رکھتے ہیں۔ اگر شوریٰ ربڑ اسٹمپ ہے' صحیح فیصلے کرنے سے بھی عاجز اور ان کو صحیح ریکارڈ کرانے سے بھی عاجز ہے' لیکن وہی اصل منتخب ادارہ ہے۔ تو پھر تو منتخب

کرنے والوں کا' طریقِ انتخاب کا' طریقِ فیصلہ کا' منتخب لوگوں کا' سب کا اعتبار اٹھ جائے گا۔

۵ - پانچواں اہم بنیادی اصول یہ ہے کہ اختلاف اگر حل نہ ہو اور بڑھتا جائے' تو کم سے کم اللہ تعالیٰ نے باہمی تعلقات میں فساد (فساد ذات البین) روکنے کے لیے جن چیزوں کو حرام کردیا ہے' ان سے اجتناب کیا جائے۔ مثلاً اخلاص اور نیت پر حملہ نہ کیا جائے کہ یہ بدگمانی ہے' اور بدترین بدگمانی ہے۔ اس لیے کہ دلوں کا حال سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا' وہی علیم بذات الصدور ہے۔ کسی بات کو بلا تحقیق قبول نہ کیا جائے اور بلا ثبوت آگے نقل نہ کیا جائے۔ زبان اور الفاظ کو قابو میں رکھا جائے کہ اللہ کی حدود نہ ٹوٹنے پائیں۔ شدید سے شدید مخالفت میں بھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے' لینے اور دینے کے باٹ الگ الگ نہ ہوں۔ جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے' فساد ذات البین ایک ایسا استرا ہے جو سارا دین ہی مونڈ ڈالتا ہے۔

افغانستان میں بندوقیں اور راکٹ چلتے ہیں' تو ہر شخص شدید مذمت کرتا ہے۔ لیکن سیاسی اور دینی جنگوں میں جو الفاظ' تقریریں اور کالم چلتے ہیں' وہ دیکھیے۔ ان کو چلانے والوں کے ہاتھوں میں بندوقیں اور راکٹ ہوتے' تو کیا وہ چلانے سے دریغ کرتے ؟

جہاں نزاع اور تفرقہ کا سبب ہوائے نفس ہے' انانیت ہے' ہوسِ اقتدار ہے' وہاں تو کسی اصول اور ضابطہ کی پابندی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ ہمارے مخاطب بھی نہیں۔

لیکن جہاں اخلاص ہے' اور اخلاص میں شدت ہے' جہاں اخلاص ہی کی وجہ سے آدمی اپنے کو برسرِحق سمجھتا ہے اور دوسرے کو برسرِباطل' جہاں وہ سمجھتا ہے کہ دوسرا اس نشیمن کو برباد کردے گا جسے بنانے میں اس نے اپنی زندگی لگائی ہے' یا وہ نشیمن بنائے گا ہی نہیں جس کے لیے وہ شریکِ سفر ہوا' وہاں ہم پوری دردمندی کے ساتھ ایک بات سب کے سامنے' اختلاف میں ہر فریق کے سامنے' رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ مخلصین کے درمیان قتال ہو جیسے افغانستان میں' سیاسی جنگ ہو جیسے پاکستان میں' یا تحریکوں میں اندرونی خلفشار ہو جیسے جماعتِ اسلامی میں۔

اختلاف کو ایک لڑائی بنا دینے کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپ شدت سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ فریقِ مخالف آپ کے محبوب نشیمن کو برباد کررہا ہے یا کردے گا' اور آپ کو اسے اپنے نشیمن کے معاملات سے ہر قیمت پر بے دخل کرنا ہے۔ لیکن آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ اگر آپ کی اس لڑائی میں وہ شاخ ہی کٹ گئی جس پر یہ آشیاں قائم ہے' وہ نشیمن ہی تباہ ہوگیا جس کو آپ حق پر' اور صحیح ہاتھوں میں' دیکھنا چاہتے ہیں' تو پھر حاصل کیا ہوگا۔ کیا یہ سراسر

گھاٹے کا سودا نہ ہو گا؟

اگر کابل ملبہ بن گیا' افغان شہریوں کی ایک اور بڑی تعداد ہلاک اور اپاہج ہو گئی' افغانستان بٹ گیا' قوم مزید متفرق اور منتشر ہو گئی' دلوں کے گھاؤ اور گہرے ہو گئے' تو آپ فتح کے بعد' اگر بغرضِ محال وہ حاصل بھی ہو گئی تو' افغانستان کو متحد کیسے کریں گے' اسلامی حکومت کس پر اور کہاں قائم کریں گے' افغانستان کو ایک مضبوط اور ترقی یافتہ ریاست کیسے بنائیں گے؟ کیا برہان الدین ربانی ' حکمت یار کو مٹا سکتے ہیں' یا حکمت یار' برہان الدین ربانی کو جڑ سے اکھاڑ سکتے ہیں؟ ابھی تو کمیونسٹوں ہی کا بال بیکا نہیں ہو سکا' اور کوئی ان کے بغیر دوسرے سے نہیں لڑ سکتا۔ پھر مستقبل میں آپ کی وحدہٗ لاشریک حکومت کیسے قائم ہو گی؟ آپ پورے جہاد کے دوران کسی دشمن کا دل تو جیت نہیں سکے' اب کیا سب ہم سفر دوستوں کے دل بھی ہار جائیں گے۔

اگر پاکستان کی معیشت تباہ ہو گئی' سیاسی نظام غیر مستحکم ہو گیا' وہ امریکہ اور بھارت کے رحم و کرم پر رہ گیا' قوم دو طبقات میں تقسیم ہو گئی جو ایک دوسرے کو مٹا سکتے ہیں' نہ گوارا کر سکتے ہیں' نہ برسرِ اقتدار دیکھ سکتے ہیں' تو آپ بلا شرکت غیرے کس ملک پر حکومت کریں گے؟ کیا محترمہ بینظیر بھٹو اور ان کے ساتھی اور جناب نواز شریف اور ان کے ساتھی اپنے مدِ مقابل کی ٹانگیں توڑ کر بحیرۂ عرب میں پھینک سکتے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب بھی کسی کو حکومت کرنا ہو گی' سب کو مل جل کر اور ایک دوسرے کے ساتھ رواداری اور خوش گواری کے ساتھ ہی کرنا ہو گی۔

اگر جماعتِ اسلامی جیسی کسی تنظیم کا نظم ڈھیلا پڑ گیا' اس کے کارکن بددل ہو گئے' اس کے بہی خواہ دور چلے گئے' اس کی صفیں ٹوٹ پھوٹ گئیں' تو کس جماعتِ اسلامی کو آپ اپنے مطلوبہ راستہ پر واپس لے جائیں گے' یا کس جماعتِ اسلامی کے ذریعہ آپ اپنے مطلوبہ راستہ پر سفر کریں گے؟ کیا اب اس جماعت میں یہ ممکن ہے کہ صرف ایک نقطۂ نظر اور رائے کو غلبہ حاصل ہو' اور دوسرا نقطۂ نظر مٹ جائے؟

ہم دنیا بھر میں ملت کے ان گروہوں سے' جو اخلاص کے ساتھ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں' پوچھتے ہیں کہ کیا مکمل فتح نام کی کوئی چیز حقیقت کی دنیا میں پائی جاتی ہے' کبھی کسی کو ملی ہے؟ کیا حضرت ہارونؑ اور حضرت حسنؓ کے اسووں میں ہمارے لیے کوئی روشنی نہیں' کیا صلحِ حدیبیہ اور فتحِ مکہ میں ہمارے لیے کوئی رہنمائی نہیں؟ یا' کیا ہم کافر ملکوں اور معاشروں سے بھی کچھ نہیں سیکھ سکتے؟

درج بالا اصولوں کی پابندی کی جائے تو اختلافات' فرقہ وارانہ ہوں' سیاسی ہوں' دینی جماعتوں کے اندر ہوں' مسلح گروہوں کے درمیان ہوں'ان کو فساد و انتشار میں تبدیل ہونے کی روک تھام ہو سکتی ہے۔ لیکن اصولوں اور قواعد و ضوابط کی پابندی خود ایک خصوصی قوت اور استعداد کا تقاضا کرتی ہے' ورنہ سنہری اصولوں اور قواعد کی کوئی کمی نہیں۔ وہ دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور افتراق بڑھتا رہتا ہے' وحدت پارہ پارہ ہوتی رہتی ہے۔

کیا ہمارے پاس نسخوں کی کمی ہے ؟ نہیں۔ کیا وعظ و نصیحت میں کمی ہے ؟ نہیں۔ ایک سے ایک کارگر نسخے تجویز کیے جارہے ہیں' موجود ہیں۔ ایک سے ایک حسین و دل ریز وعظ و نصیحت کے درس ہیں۔ لیڈروں کو یہ کرنا چاہیے' عوام کو یہ۔ سوال یہ ہے کہ وہ نسخہ کیا ہے جس سے مریض دوا پینے پر راضی ہو جائے' کڑوی گھونٹ حلق سے اتار لے۔

کڑوی گھونٹ پینے کے لیے جس استعداد کی ضرورت ہے' اس کا نام ہے تقویٰ۔ اور تقویٰ ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک امت کو دعوت الی الایمان' تذکیر' اور انذار و تبشیر کی بڑی بڑی خوراکوں کے ذریعہ اسی وحدت کے کھونٹے سے بندھنے کے لیے آمادہ نہیں کیا جائے گا' جس سے اس کی وحدت کا شیرازہ بندھ سکتا ہے' اس وقت تک کوئی نسخہ استعمال نہ ہوگا' کوئی وعظ کارگر نہ ہوگا۔ اس لیے قرآن مجید نے تقویٰ' ذکرِ الٰہی' حبل اللہ کو مضبوط پکڑ لینے کی ہدایات سب سے پہلے دی ہیں۔ اور عیسائیوں کی باہمی بغض و عداوت کی تشخیص کرتے ہوئے فرمایا ہے :

> ہم نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا تھا جنھوں سے کہا تھا ہم نصاریٰ ہیں۔ مگر ان کو جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انہوں نے فراموش کردیا۔ آخر کار ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور آپس کے بغض و عناد کا بیج بو دیا۔ (المائدہ ۵:۱۴)

آج بڑی خوش آئند بات ہے کہ امت میں بھولے ہوئے سبق کو یاد کرنے کی ایک زبردست لہر اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ وقت لگے گا' لیکن ہمیں یقین ہے کہ ارضِ موعودہ ضرور ہمیں نصیب ہوگی' خواہ چالیس سالہ دشت نوردی کے بعد ہو۔ بس ہر مسلمان کو ایمان اور وحدت کے لیے کھڑا ہو جانا چاہیے' اور وقت' مال' جان' جو درکار ہے' اس مقصد کے لیے لگا دینا چاہیے۔

آپ کے مشوروں اور نقطہ نظر کے بھی منتظر رہتے ہیں۔ ترسیل میں کوئی کوتاہی ہو تو فوراً توجہ دلائیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ ۱۰ر تاریخ تک رسالہ نہ ملے' تو مطلع کریں' دوسرا بھیجا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا سے نوازے۔